بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ فاتحہ

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی
(بہ فرمائش محمد بلال صدیقی قادری)

ناشر
شکیب قاسم پبلی کیشنز، کراچی
سی ۱۱/ ۸۔ گلبرگ، فیڈرل بی ایریا، کراچی

انتساب

ہر پڑھنے والے کے نام

(محمد فائق)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

آج رجب المرجب ۱۴۳۵ھ کی تیسری تاریخ ہے اور حسن اتفاق کہ مئی کی ۲۰۱۴ء کی بھی تیسری تاریخ ہے۔ میرے دوسرے بیٹے محمد بلال صدیقی کی تاریخ پیدائش بھی ۳ رمئی ہے اور آج اس کی (۴۰) چالیسویں سالگرہ ہے۔ نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس کو مبارک باد دینے کے لیئے امریکہ فون کیا۔ اس نے اصولاً میری خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد میری مصروفیات سے متعلق سوال کیا۔ میں نے جواباً کہا کہ میرے تمام تحریر و تصنیف و تالیف کے کام بحمد اللہ مکمل ہو چکے ہیں اور اب فراغت کا وقت مشکل گزر رہا ہے کہ گزشتہ ساٹھ سال تصنیف و تالیف میں صرف کرنے کے بعد اکیاسی (۸۱) سال کی عمر میں اب کوئی بڑا کام شروع کرنے کا نہ حوصلہ ہے اور نہ صحت اس کی اجازت دیتی ہے۔ ویسے میں ''شگر'' بلڈ پریشر'' اور ''سپانڈی لوسس'' جیسے کرانک امراض میں مبتلا ہوں۔ قصر سماعت کی بھی شکایت ہے ''انجیو پلاسی'' بھی ہو چکی ہے۔ عجیب قسم کا کمر درد ہے جو کرسی پر بیٹھ کر کام کرنے سے یا چلنے پھرنے سے ٹھیک رہتا ہے آرام کرنے سے اور لیٹنے سے بڑھ جاتا ہے۔۔۔ آرام کی صرف ایک صورت ہے ''کہ آرام نہ کروں!

بلال نے میری باتیں سن کر ایک فرمائش کر دی کہ ۔۔۔ ''الحمد شریف'' کی تفسیر لکھ دیں۔ میں نے فرمائش سن کر نہ انکار کیا نہ وعدہ۔ ایک

سرسری سے وضاحت کر کے اسے مطمئن کر دیا۔ مگر ساٹھ سالہ پرانی عادت نے پھر انگڑائی لی اور بسم اللہ کہہ کر قلم اٹھالیا۔۔۔۔!

''علم دراصل صفتِ خداوندی ہے جو اس ذات پاک نے حضرت آدمؑ کو عطا فرما کر فرشتوں پر آدم کو فضیلت دی۔ یہی ورثۂ آدمیت حضور اکرمؐ کی ذات اقدس پر درجۂ کمال کو پہنچا۔ فرشتوں نے تو کہا تھا ''لَا عِلْمَ لَنَا'' اور میرے آقا نے فرمایا ''اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ'' بالآخر یہی علم باب العلم سے آپ کی امت کے اولیاء و علماء کو پہنچا۔۔۔ راقم کے نزدیک جس کو بھی جو علم اور جس حد تک میسر ہے وہ فیض مدینۃ العلم ہے جو ''باب علم'' کے ذریعہ عطا ہوتا ہے۔ راقم کے نزدیک علم بھی ''جاننا'' ہے ''عرفان'' بھی مگر یہ اصطلاحی فرق ملحوظ رہے کہ علماء کے نزدیک ''لفظی صرف'' کے مطابق علم ''مخلوق'' کا ہے اور ''عرفان'' خالق کا یہی معنوی نزاکت تعلیم و معارفت میں بھی ہے۔ مخلوق کا علم رکھنے والے علماء اور خالق کو جاننے والے ''عرفا'' کہلاتے ہیں۔

آیئے اب سورہ فاتحہ کے معنیٰ سمجھنے کی طرف! یہ سورہ ''فاتحہ'' اسی لیئے ہے کہ قرآن حکیم اسی سورۂ سے ''کھلتا'' ہے۔ یہ ہی آغاز ہے اس سورۂ مبارکہ کے پہلے دو الفاظ ہی ایسے ہیں کہ ان کا معنوی ''فکری احاطہ'' ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کل پر محیط ہے۔ جس پر کوئی دوسرا محیط ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ کتنی ہی شرح و تفسیر کی جائے اسم ذات کا پورا مفہوم ذہن و فکر کی رسائی سے بالاتر ہے۔ شبِ معراج حضور اکرمؐ نے اللہ کو جتنے قریب سے دیکھا ویسا دیدار کسی کو نہ ہوا نہ

ہو سکے گا کہ صرف آپؐ ہی کی ذات اقدس ''صاحب قابَ قوسین'' ہے مگر آپؐ کی نظر بھی ذات ربیؔ پر محیط نہیں تھی وہ ذات پاک زمان ومکان اور مشاہدۂ وگمان سے برتر واعلیٰ ہے۔۔۔قرآنِ حکیم اور حدیث رسول اکرمؐ کے مطابق ''اللہ'' کی ذات، پاک کا جو بھی عرفان انسان حاصل کرسکتا ہے۔وہ اس کی بیان شدہ صفات عالیہ کے ذریعہ ہی ممکن ہے جو بالعموم ''۹۹'' بیان کی جاتی ہیں۔راقم کے نزدیک اللہ کی صفات صرف ''۹۹'' نہیں ہیں بلکہ اس کے صفاتی تصور کی شرح کے لیئے ''۹۹'' الفاظ متفقہ ہیں اور ان الفاظ کا مفہوم بھی ہر شخص کی اپنی بساط کے مطابق ہے کوئی بھی ذہن اس کی ذات کا اور اس کی صفات عالیہ کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ نیز یہ کہ بالعموم بیان کردہ ایجابی صفات کے علاوہ سلبی صفات بھی اس کی ذاتِ پاک کی نشاندہی کے لیئے اہم ہیں۔۔۔وہ کیا ہے؟ ایجابی صفات ہیں۔۔۔ وہ کیا نہیں ہے' سلبی صفات ہیں۔۔۔ان میں سے اکثر بنیادی ''ایجابی وسلبی'' صفات کی نشاندہی سورۂ فاتحہ۔سورہ اخلاص اور آیۃ الکرسی میں بطور خاص کی گئی ہے۔ان ہر دوقسم کی صفات کے معنیٰ ہر شخص اپنی بساط واستطاعت وتوفیق کے مطابق ہی سمجھتا ہے ورنہ اس کی ذات الفاظ وفکر وصفتِ وخیالات سے بالاتر ہے۔

اسمائے صفت کے علاوہ ''اللہ'' اسم ذات ہے جو تمام اسمائے صفات کا مرکز ہے۔اللہ کے معنیٰ نہ بیان کیئے گئے ہیں نہ بیان کیئے جاسکتے ہیں کہ معنیٰ تو کسی لفظ کے ''تعقل'' (Concept)۔ کو کہتے ہیں اور جو عقل کی حد سے

بالا و برتر ہو اس کا تعقل ہی ممکن نہیں ہے۔ اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا تصور جائز نہیں ہے۔۔۔ انسان کو "**اسم اللّٰہ**" کے تصور سے آگے بڑھنا چاہیئے اولیاء کاملین طالب کو **اسم اللّٰہ** کے تصور سے راہِ معرفت طے کرواتے ہیں۔ جب طالب "**الف**" کی منزل سے گزر جاتا ہے تو "ا" ختم ہو کر "**للّٰہ**" رہ جاتا ہے۔ "ل" کی منزل سے گزر کر "**الف**"، "لام" دونوں ختم ہو جاتے ہیں۔ "**لَہٗ**" رہ جاتا ہے۔ دوسرے لام سے گزر کے "**الف**" + "لام" + "لام" کے بعد صرف "**ہ**" رہتا ہے۔ جو ایک ضمیر یا اشارہ ہے اس منزل سے گزر کر نہ لفظ باقی ہے نہ تصور نہ معنیٰ صرف "وہ" باقی ہے جو "احد و صمد" ہے نہ شہود نہ شاہد نہ مشہود نہ مشاہدہ۔۔۔ "اللہ ہی اللہ" ہے۔

جب اس کی ذات پاک ماورائے فکر و بیان ہے تو اس کی حمد کا احاطہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ ہے کوئی؟ جو "**الحمد للّٰہ**" کے معنی سمجھ سکے یا بیان کر سکے اسی احساس کو راقم نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے کہ ؎

جانتے وہ ہیں جو ہیں جاننے والے تیرے
ہم تو نازاں ہیں کہ ہیں ماننے والے تیرے

راقم کا دین "اسلام" ہے افہام نہیں ہے یعنی تسلیم کرنے کا راستہ ہے نہ کہ سمجھنے کا! تاہم نفس کو مطمئن کرنے اور تسلیم کروانے کے لیئے اس کی بساط و استطاعت کے مطابق سمجھانا بھی افضل ہے۔۔۔ اس رویہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے پہلے دو الفاظ "حمد" اور "اللہ"۔۔۔ ہی ہمارے

دین اور مسلک کی اساس ہیں کہ "ہر خوبی بڑائی اور تعریف" صرف اللہ کے ہی لیئے ہے "**الحمدللہ**"۔ "حمد کیا ہے اس کی ایجابی صفات کا اقرار اور سلبی صفات کا انکار"۔ وہ اللہ جو "عالموں کا رب ہے"۔ "**رَبِّ الْعَالَمِینَ**"۔

یہاں یہ بات بطور خاص ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ قرآنِ حکیم نے اللہ کی جو صفت سب سے پہلے بیان فرمائی ہے وہ "ربوبیت" ہے یعنی وہ عالموں بلکہ سارے عالموں کا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔ "رب" کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ پرورش کے بھرپور مفہوم کو ذہن میں رکھا جائے۔

راقم نفسیات کے مطالعہ سے پرورش کے تصور کو یوں سمجھا ہے کہ "**پرورش کا مفہوم تخلیق و تولید۔ نشو ونما۔ انحطاط اور فنا پر مشتمل ہے**۔" یہاں بعض ذہن تخلیق و تولید کے استعمال سے الجھ سکتے ہیں۔۔۔ اس ضمن میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ لفظ تولید حیوانات کے حوالے سے اور تخلیق جمادات اور توانائیوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ ویسے اگر غور کریں تو۔۔۔ "تولید کا عمل بھی تخلیق کا ذیلی طریقہ ہے۔" حیوانات کے ساتھ تولید سے پہلے تخلیق کے لفظ کی دو تعبیریں ہیں اوّل یہ کہ جسم کی تولید سے پہلے روح تخلیق ہو چکی ہے۔ انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں روح نہیں ہوتی ولادت سے قبل ان کی تخلیق کے معنٰی یہ ہیں کہ یہ امر سے پہلے سے طے شدہ اور مقرر ہے کہ کس وقت۔۔۔ اور کس طرح۔۔۔ کس نطفے کے کس جرسومے سے۔۔۔ کونسے بیضہ سے اتصال ہو کر۔۔۔ کس طرح۔۔۔ اور کن صفات کے ساتھ۔۔۔ کس شکل میں۔۔۔ اور

کس جسم سے۔۔۔کس وقت ولادت ہوگی۔ یہ تو تخلیق وتولید کا مفہوم ہے اور اس کے بعد ذہنی وجسمانی نشوونما پھر پختگی کا عمل پھر زوال وانحطاط اور اس کے بعد موت نیز انسانی سطح پر بعد فنا پھر بقا کی منزل ہے۔خواہ وہ جنت کی آسائش والی بقا ہو یا جہنم کی عذاب والی بقا کہ ''هم فیها خالدون''۔

مراد یہ ہے کہ ازل سے ابد تک بلکہ ازل سے قبل بھی تخلیق کائنات کے آغاز سے ابد تک کے جملہ تغیرات کا پیدا کرنے والا اور ان پر قدرت رکھنے والا خواہ وہ عالم فانی سے متعلق ہوں یا عالم بقا سے صرف اللّٰہ ہے جو لائق حمد ہے۔۔۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ۔۔۔یہ سورۂ فاتحہ کی دوسری آیت مبارکہ ہے جس کے روایتی معنیٰ یوں بیان کیئے گئے ہیں کہ ''بڑا مہربان نہایت رحم والا''

سورۂ فاتحہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ یہ شمار اس وقت درست ہے جب ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کو جداگانہ آیت شمار کیا جائے اور اگر اس کو آیت نمبر پانچ کا حصہ شمار کریں تو سورۂ ھٰذا کی کل آیات چھ ہوتی ہیں۔ اس آیت کے آخر میں دونوں نمبر''۶ اور ۷'' بالعموم تحریر کیئے جاتے ہیں۔اکثریت آیات کے سات ہونے پر متفق ہے۔

راقم کا استدلال آیات کے چھ ہونے کے حق میں ہے کہ حدیث قدسی کے مطابق اللّٰہ تعالیٰ نے سورۂ ھٰذا کے لیئے فرمایا کہ مجھ میں اور میرے بندوں میں اس سورہ کی آدھوں آدھ (نصف نصفی) کی تقسیم ہے۔اس حدیث قدسی کے مطابق اگر نصف سورہ کا تعین کیا جائے تو شروع کی تین آیات اللہ کی

ذات وصفات کے لیئے ہیں اور باقی آیات کو جو بندے کے لیئے (دعائیں) ہیں نصف شمار کریں تو ان کی تعداد بھی تین قرار پاتی ہے۔ آیات کے شمار میں چھ اور سات کے اختلاف کے علاوہ کوئی شماریاتی اختلاف نہیں کہ اس میں کلمات ''۲۵'' ---- حروف ''۱۲۲'' ---اور رکوع ایک ہے یہ سورہ مکّی ہے۔ تین آیات اللہ اور تین بندے کے لیئے ماننے والے بسم اللہ شریف کو شامل کر کے سات آیات شمار کرتے ہیں۔

دوسری آیت پاک میں لفظ ''رحمٰن'' پہلی مرتبہ عربی لفظ کی حیثیت سے استعمال ہوا۔ قریش ''لفظ رحمٰن'' سے پہلے واقف نہ تھے اسی لیئے انہوں نے اس لفظ پر استفسار کیا تھا کہ ''رحمٰن کیا ہے'' اردو ترجمہ میں اکثر مترجمین نے اس کے معنیٰ ''بڑے مہربان'' لکھے ہیں اور ''رحیم'' کے لیئے ''نہایت رحم والا لکھا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک دونوں کا مادّہ ''رح م'' ہے اور اسی مادّے سے مشتق مبالغہ کا صیغہ رحمٰن ہے اسی لیئے صرف ذات باریٔ تعالیٰ کے لیئے خاص ہے کہ ''رحمٰن'' صرف اللہ ہے کوئی دوسرا نہیں ہے جبکہ رحیم کا لفظ ''لوگوں'' کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ''رحمٰن '' اَرحَمُ الرّاحِمین ''اور ''خیر الرّاحمین کے ہم معنیٰ صرف اللہ کے لیئے ہے اس حوالے سے بعض علماء وعرفاء نے لکھا ہے کہ ''رحمٰن وہ ہے جو کل مخلوق جمادات ونباتات وحیوانات پر مہربان ہے جس مہربانی میں صاحبان ایمان کی تخصیص نہیں ۔۔ اس میں کافر مشرک مرتد سب کا احاطہ ہے اسی لیئے لفظ رحمان دنیا کی مہربانیوں کے لیئے مخصوص ہے جبکہ شانِ رحیمی آخرت

میں بھی مہربانی کا احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ ''الرحمٰن الرحیم''۔ دنیا میں سب پر رحم کرنے والے اور آخرت میں اہل ایمان پر رحمت خاص کرنے والے کے معنیٰ میں ہے۔۔۔یعنی یہ دونوں الفاظ ایک طور پر ''ربوبیت'' کی شرح ہیں اسی لیئے ''رب العالمین'' کی ترکیب کے فوراً بعد ہیں اور ''رب العالمین'' وہ اسم صفت ہے جو قرآن حکیم میں اسم ذات یعنی ''اللّٰہ'' کے فوراً بعد پہلے اسم صفت کی حثیت سے بیان ہوا ہے۔اور یہ پہلی وحی میں بھی استعمال ہونے والا اللّٰہ کا پہلا اسم صفت ہے۔راقم کے نزدیک ''رب''۔۔۔رحمٰن اور ''رحیم'' شاید سب سے زیادہ اہم اسمائے صفات ہیں کہ بسم اللہ شریف میں بھی اللہ کے بعد جو دو اسمائے صفات ہیں وہ ''رحمان'' اور رحیم ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی اگلی آیت یعنی آیت نمبر تین (۳) میں چوتھا اسم صفت ''مالک'' استعمال ہوا ہے۔ ''مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن''۔اس آیت پاک میں ''یوم الدّین'' روز حشر کے لیئے ہے کہ اس دن اللہ جسے چاہے بخش دے گا اور جسے چاہے سزا دے گا یعنی پورا اختیار اللہ کے ہی پاس ہے کہ اپنی ''مخلوق'' کو چاہے انعام دے یا سزا۔۔۔یہاں ایک بات واضح طور سے ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ مالک کل قادر مطلق اور مالک ہونے کے باوجود نیک لوگوں کے اعمال ضائع نہیں کرے گا۔انہیں ان کے اچھے عمل کا اچھا بدلا دیا جائے گا۔راقم کے نزدیک اس کے مالک ہونے کی صفت اہل ایمان کے لیئے آخرت میں درج ذیل حوالوں سے بطور خاص ظاہر ہوگی۔

☆ اللہ اپنے بندہ سے راضی ہوگا۔

☆ بندے کو اپنے خاص بندوں میں شامل کرے گا۔

☆ اپنی جنت میں داخل فرمائے گا۔

☆ اور بندوں پر ربِّ رحیم کا سلام آئے گا۔

ملحوظ رہے کہ یہاں بھی ''رب اور رحیم'' جو دو اسمائے صفات استعمال ہوئے ہیں ان کا مفہوم بھی سابق میں بیان کردہ شرح اسمائے کے ہی حوالے سے ہے۔

بیان شدہ پہلی تین آیات ذات ربیؔ کے لیئے ہیں اگلی آیات بندے کی طرف سے جمع متکلم میں اپنے رب کے حضور دعائیہ ہیں۔

''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ''

اس چوتھی آیت پاک میں پہلے ''اعتراف واقرار عبدیت'' ہے اور اس کے ساتھ ''استعانت طلبی'' ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ''نَعۡبُدُ'' کا مادّہ ''ع۔ب۔دٗ'' ہے جس کے اصطلاحی معنی عبادت کرنے یا پوجنے کے ہیں عبد کا لفظ بندے یا غلام کے لیئے آتا ہے اور عابد کہتے ہیں عبادت کرنے والے کو معبود وہ جس کی عبادت کی جائے۔ اسلامی فکر وفلسفہ و شریعت میں ''معبودٗ'' صرف اللہ ہے اور عابد ہر عبادت کرنے والا ہے اور عبد ہر بندہ ہے خواہ وہ عابد ہو یا نہ ہو وہ عبد جو اللہ کو واحد ولاشریک معبود نہ جانے گمراہ ہے نفسیاتی لحاظ سے ''عبدیت'' خود کو عبد اور صرف اللہ کو معبود واحد جانے اور ماننے کا وہ دائمی اور مستقل احساس ہے جس کے تحت بندہ خود کو عاجز اور اللہ کو اکبر جانے۔

اس حوالے سے عبادت اس دائمی باطنی احساس کا مظاہرہ ہے جو عملی طور سے کیا جاتا ہے۔ اسلام میں عبادت کا طریقہ وہی درست ہے جس کا حکم قرآن وحدیث کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ ہم تجھ کو معبود واحد ولاشریک جان کر اور خود کو تیرا عبد عاجز مان کر تیرے بتائے ہوئے طریقے سے تیری عبادت کرتے ہیں (کسی غیر کی نہیں کرتے) اور تجھ سے ان تمام معاملات میں مدد کے طالب ہیں جس میں ہم خود عاجز ہیں۔۔۔ ''اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ''۔۔۔ تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ ''نَسۡتَعِیۡنُ'' کا مادہ ''ع۔و۔ن'' ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں۔ اس آیت شریفہ سے اخذ کیا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرح اللہ کے سوا کوئی دوسرا مددگار بھی نہیں ہے عالم ظاہر میں ازروئے اسباب بہت سے عوامل وافراد مختلف معاملات میں مددگار نظر آتے ہیں ان کی اس مدد کے پیچھے فائل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ اس کی مرضی اجازت یا حکم کے بغیر کوئی بھی مدد نہیں کرسکتا۔ رزق میکائل دیتے ہیں۔۔۔ روح عزرائیل قبض کرتے ہیں۔ صور اسرافیل پھونکے گے۔۔۔ مگر حقیقی معنیٰ میں رزق دینے والا۔ جان نکالنے والا۔ مارنے والا۔ قیامت برپا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

جیسے ایک بچہ اپنی ضروریات کے لیئے اپنے ماں باپ اور دوسرے بڑوں سے رجوع کرتا ہے اسی طرح اس کے صاحب ایمان بندے بھی امداد وتعاون کے لیئے دیگر افراد اسباب اور اداروں سے رجوع کرتے ہیں بیماری میں ڈاکٹر کی

مدد چاہتے ہیں۔ علمی معاملات میں اساتذہ کی مدد چاہتے ہیں، دینی رہنمائی اور دیگر معاملات میں بزرگان سے طالب دعا ہوتے ہیں ان تمام امثال میں مدد کرنے والا فاعل حقیقی ''اللہ تعالیٰ'' ہی ہے وہ ہی شفا دیتا ہے وہی حاجتیں پوری کرتا ہے وہی حفاظت فرماتا ہے۔ یعنی تکمیل ضروریات اور قضائے حاجات کے لیئے کسی بھی ذریعہ یا سبب سے رجوع کرنا پڑے مگر عبد حقیقی کے نزدیک استعانت اللہ کے سوا کسی سے ممکن ہی نہیں ہے اس لیئے جو ایمان نہیں رکھتے وہ ''مسببُ الاسباب'' کے بجائے اسباب کو ذریعہ حاجت روائی سمجھتے ہیں۔ یہیں سے آغاز شرک ہوتا ہے سورۂ ھٰذا میں اللہ تعالیٰ نے بنیادی حقیقتیں استعانت سے متعلق خود متکلم ہو کر اپنے بندے کی زبان میں بیان فرما دی ہیں۔

اگلی آیت میں اقرار عبدیت و طلبِ استعانت کے بعد دعا سکھائی کہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' ہمیں راہ مستقیم کی ھدایت دے (یعنی یہ کہ اپنی ہی ذات واحد کی عبادت اور اپنی ہی ذات پاک سے استعانت طلبی کی راہ پر قائم کر دے) ویسے صراط المستقیم کے لفظی معنیٰ تو سیدھے راستے کے ہیں یعنی جس میں ہیر پھیر نہ ہو اور جو براہ راست منزل تک پہنچنے کے لیئے ہو۔ مومن کی منزل رضائے الٰہی اور فلاح اخروی ہے۔۔۔اسی لیئے اس آیت پاک میں صراط مستقیم کے معنیٰ زندگی گزارنے کا وہ طریق ہے جو فلاح دائمی کے لیئے اللہ اور اس کے رسول پاکؐ نے قرآن و احادیث کے ذریعہ متعین کیا ہے۔ مرادی معنیٰ دینِ اسلام اور شریعت اسلامی پر قائم رکھنے کی ہدایت و توفیق کے ہیں۔ اگلی

آیت میں صراحت یوں کی گئی ہے کہ۔۔۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۔۔۔یعنی راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا یا جن کو نعمتیں عطا کیں یہاں اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے معنی انبیاء سابق اور ان کے سچے پیروں سے لے کر سرکارؐ کے آل واصحاب والیائے امت اور صدیقین صالحین وشہداو مجاہدین وصابرین وشاکرین ومومنین کے ہیں جس کی وضاحت مزید یہ کہہ کر کردی گئی ہے کہ ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ''۔

یہ ایک منطقی پیرایہ بیان ہے کہ جس کی اثبات کی جائے اس کے نقیض کی نفی کردی جائے ''جیسے صرف آپ اور کوئی دوسرا نہیں'' یاں کوئی دوسرا نہیں ''صرف آپ'' کے تعقل کو واضح کرتا ہے اسی طرح ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کی منطقی وضاحت ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' سے کئی گئی ہے کہ وہ راستہ نہیں جس پر چلنے والوں پر تیرا غضب ہوا اور وہ ہمیشہ کے لیئے بھٹک گئے اس کے بعد کلمۂ قبولیتِ دعا شامل سورہ نہیں ہے۔

صلوٰۃ قائم کیجیئے

(صلوٰۃ اللہ کے لیئے ہے تو نماز ہے، رسول پاکؐ کے لیئے ہے تو درود ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری کی تصنیفات

☆ قرآنی احکام و ترغیبات		زیر اشاعت
☆ متاعِ آخرت	نعتیہ مجموعہ	مطبوعہ
☆ اکابرینِ اسلام	شخصیات	مطبوعہ
☆ حضرت اباجیؒ	ایک قادری بزرگ	مطبوعہ
☆ انوکھا سلسلہ	قادری سروری سلسلہ	مطبوعہ
☆ اجالے	طریقت و مناقب	مطبوعہ
☆ اسلامی آداب و معمولات	احکام اور نفسیات	مطبوعہ
☆ صدیوں کا سفر	خاندانی سرگزشت	مطبوعہ
☆ میرا بداؤں	تمدنی تجزیہ	مطبوعہ
☆ انتخابِ کلامِ فانی	تشریحی اشارات	مطبوعہ
☆ نفسیات کی آٹھ کتابیں	نصابی کتب	مطبوعہ
☆ سماجی نفسیات	نصابی	مطبوعہ
☆ شماریات	نصابی	مطبوعہ
☆ دو کتب کے انگریزی تراجم	فادر آگسٹین فرینڈس	مطبوعہ
☆ تعلیمی تحقیق	میدانی مطالعوں کے اصول	مطبوعہ
☆ ہومیو ڈکشنری	پہلی ہومیو ڈکشنری	مطبوعہ
☆ ہومیو سیریز	گیارہ کتب کا سلسلہ	مطبوعہ
☆ ہومیو میٹریا میڈیکا / معالجیات فلسفہ اور سائیکیاٹری	اٹھارہ کتب	مطبوعہ

کل ۵۲ کتب + لک غیر مطبوعہ (قلمی)

ناشر

شکیب پبلیکیشنز. کراچی

سی ۱۱/ ۸ فیڈرل بی۔ ایریا۔ کراچی

فون نمبر 36365255-36367440